مصحفِ بہزاد

مجموعۂ غزلیات



کتاب خانہ "دانش محل" دہلی

مُصحفِ بہزاد

از

حضرت بہزاد لکھنوی

دانش محل، دہلی

قیمت :- ایک روپیہ چار آنے

بار دوم ———————— ایک ہزار

(عمدہ پریس دہلی)

نذر

میں "مصحفِ بہزاد" کو اپنے ہادی و مرشد آقای و مولائی مشعلِ راہِ طریقت اعلیٰ حضرت سرکار شاہ محمد تقی عرف عزیز میاں صاحب نظامی نیازی دامت برکاتہٗ سجّادہ نشین خانقاہِ عالیہ نیازیہ بریلی کے نام نامی سے معنون کرتا ہوں۔

گر قبول افتد زہے عزّ و شرف

خاکِ پائے مرشد

بہزاد نظامی نیازی لکھنوی

مقدّمہ

از وحید المورخین عمدۃ الشعرا حضرت علّامہ فرقانی امروہوی مدظلّہٗ

حضرت بہزاد لکھنوی اور اُن کی شاعری سے ہندوستان کا وہ کون گوشہ ہے جو متعارف نہیں، آپ اُس دور کے تمام شعرا میں سب سے الگ اپنی ایک جگہ قائم کئے ہوئے ہیں آپ کو اور آپ کے کلام کو جو ہر دل عزیزی حاصل ہے اس کی مثال نہیں ملتی۔ آپ کا اخلاق اور خلوص جس قدر وسیع ہے کم لوگوں میں دیکھا گیا ہے جس کی بنا پر آپ کی ذات سے ہر شخص کے دل میں عقیدت پیدا ہو جاتی ہے اس کے علاوہ آپ کے کلام میں جو جو خصوصیات ہیں اُن کی وجہ سے تمام ہندوستان میں آپ کا کلام مقبولیت عامہ کا مالک ہے۔ شاعری اِک فطری شئے ہے جو ہر شخص کو قدرت کی طرف سے نہیں ملتی۔ بہزاد صاحب فطری شاعری کے مالک ہیں اور جو کچھ فرماتے ہیں وہ اپنی فطرت کے مطابق اور جذبات سے متاثر ہو کر بلکہ جذبات سے مجبور ہو کر فرماتے ہیں۔

غزل گوئی: شاعری کی اصناف جس قدر ہیں ان میں جو مرتبہ غزل کو حاصل ہے وہ کسی اور صنف کو نہیں سب سے دشوار گزار غزل گوئی کا میدان ہے اور آج تک جس قدر غزل گو حضرات گزرے ہیں سب کو کم و بیش بقا حاصل ہے اور جس قدر اُستاد کے لقب سے ملقب ہوئے ہیں وہ سب غزل گوئی میں ہی ماہر اور اُستاد تھے۔ حضرت بہزاد لکھنوی بھی غزل گوئی میں اپنا جواب نہیں رکھتے تھے۔ لوگ کہتے ہیں کہ اب غزل گوئی یا نظم گوئی وغیرہ میں کیا رکھا ہے جو کچھ اب کہا جاتا ہے وہ سب وہ ہے جو اساتذہ سبق کہہ چکے ہیں۔ ایک حد تک میں اس کو ماننے کے لئے تیار رہوں لیکن اس سے بھی کسی صورت انکار نہیں کیا جا سکتا کہ دورِ جدید میں جدید تخیلات کا ملنا کوئی دشوار اور دقت طلب بات نہیں ہے۔ اس لئے اُردو ادب کا یہ وہ دور ہے جو زمانہ ماضی سے کہیں زیادہ روشن ہے جسکے تخیلات اور تحقیقات روشن سے روشن تر اور نادر سے نادر ہیں۔ دوسرے پہلی شاعری اور دورِ حاضرہ کی شاعری میں زمین اور آسمان کا فرق ہے، پہلے گل و بلبل، شمع و پروانہ، برق و آشیانہ اور انہی کی چند رعایاتِ لفظی کے لوٹ پھیر کو نظم کر لینے کا نام شاعری تھا لیکن اب وہ دور بالکل مفقود ہو چکا ہے۔ اس دور میں صرف من و توکی شاعری

ہے جو غزل گوئی کا لغوی اعتبار سے صحیح مقصد ہے چنانچہ حضرت بہزاد بھی سوائے من و تو کی شاعری کے علاوہ کسی دوسری قسم کی شاعری کے پابند نہیں ہیں یا آپ ہر شعر میں اپنے دل کی اصلی اور صحیح کیفیات کی ترجمانی اور لفظی صورت میں تصویر کشی فرماتے ہیں آپ کے کلام میں بہت سے شعر ایسے بھی ہیں کہ ان میں خیالات دورِ قدیم کی جھلک پائی جاتی ہے لیکن یہ کہنا بھی انصاف کے خلاف ہوگا کہ آپ نے اس انداز اور انوکھے پیرائے میں نازک اور حسین پہلو سے کہا ہے کہ روح کو وجد آئے بغیر نہیں رہتا۔ آپکی خوش گوئی اور سلامت بیانی ہی آپ کی شہرت کی ضامن ہے۔

نظم گوئی۔ اس کے علاوہ حضرت بہزاد صرف غزل گوئی تک ہی شاعری کے مالک نہیں ہیں بلکہ آپ نظم اور نظم کے سلسلے میں جس قدر نظم کی قسمیں ہیں جو پہلے رائج چلی آتی ہیں اور جو دورِ جدید میں ایجاد ہوئی ہیں سب پر یکساں صورت میں قادر ہیں آپ کی نظمیں سننے اور پڑھنے سے پتہ چلتا ہے کہ وہی کیفیات جو غزل میں صرف کی جاتی ہیں وہ نظم میں بھی صرف ہو سکتی ہیں یعنی یہ کہ آپ کی جس قدر نظمیں ہیں وہ سب جذباتِ محبت احساساتِ حسن و عشق اور رومان سے پُر نظر آتی ہیں اور اُن اچھوتے خیالات کی حامل ہیں جن کی بہت سے نومشق

شعر انقلاب کرتے ہیں۔ آپ کے کلام کی ایک خاص خصوصیت یہ بھی ہے کہ اس قدر سلیس ہے کہ جس کو سہل ممتنع کے علاوہ اور کوئی سُرخی نہیں دی جا سکتی آپ کے ہر شعر میں اک محبت بھری زندگی کے واسطے ایسی چٹکیاں اور لطیف چٹکیاں مخفی ہیں جو ہر اُس شخص کو جو صاحب دل ہے اور کیفیات محبت سے واقف ہے بےچین کئے بغیر نہیں رہتیں جوان بوڑھے صاحبانِ علم و ادب و دیگر ہر مشرب کے طبقے آپ کی شاعری سے یکساں طور پر حظ حاصل کرتے ہیں سنتے اور مطالعہ کرتے ہیں۔

صاحبانِ اخبار و مالکان رسائل یہ چاہتے ہیں کہ آپ کے کلام تازہ بہ تازہ سے اپنے اخبارات و جرائد کو زینت دیں۔ یہ ہے آپ کی اور آپ کے کلام کی خصوصیت اور مقبولیت۔ طوالت کا خوف مانع ہے ورنہ بہزاد صاحب جیسی شخصیت کے لئے میں بہت کچھ لکھنا چاہتا تھا۔ خیر باری زندہ صحبت باقی پھر کسی موقع پر آپ کے کلام پر روشنی ڈالی جائیگی

فرقانی امروہوی

غزلیات

متاعِ محبّت

کچھ نہیں معلوم کس شے کے لئے روتا ہوں میں
کیا خبر ہے جان کس واسطے کھوتا ہوں میں

باعثِ تکلیف تھی تو صرف میری ذات تھی
لو مبارک عمر بھر کے واسطے سوتا ہوں میں

کھو چکا پہلے ہی میں تو سب متاعِ عقل و ہوش
پیش اب کیوں بارگاہِ حُسن میں ہوتا ہوں میں

تم اُلٹتے ہو جب اپنے روئے روشن سے نقاب
ہوش میں اپنے بھلا اُس وقت کب ہوتا ہوں میں

اے خدائے عاشقی للہ مجھ کو بخش دے
وہ محبّت جس محبّت کے لئے روتا ہوں میں

حُسن کی نظروں سے لڑتی ہے محبّت کی نظر
ہو مبارک اہلِ دل غم آشنا ہوتا ہوں میں

عشق میں شاید گزرتے ہیں یونہی شام و سحر
مجھ کو کب اس کی خبر بہزاد کیوں روتا ہوں میں

غرورِ عشق

ترے جنون سے جو میں دور ہوا جاتا ہوں
اپنی ہستی پہ ہی مغرور ہوا جاتا ہوں

اپنی دوری سے مجھے پاس نظر آئیں گے آپ
لیجئے خود سے بہت دور ہوا جاتا ہوں

چل دیئے چل دیئے مغموم مجھے دیکھ کے آپ
آیئے آیئے مسرور ہوا جاتا ہوں

روکو روکو نگہ مست کو دیکھو نہ ادھر
دیکھو دیکھو مجھے مخمور ہوا جاتا ہوں

اُن کے جلووں میں نظر آیا مجھے کیا جانے
بندگی کرنے پہ مجبور ہوا جاتا ہوں

کہیں ایسا نہ ہو پھر آئے وہی دار و رسن
رو کئے روکئے منصور ہوا جاتا ہوں

مصلحت اس میں کچھ اللہ کی ہے اے بہزاد
میرا کیا بس ہے کہ مشہور ہوا جاتا ہوں

وفا شعاریاں

فدائے یار ہوں اوروں سے کام کیا ہے مجھے
جگر فگار ہوں اوروں سے کام کیا ہے مجھے

فضائے حشر میں بیٹھا ہوں یوں الگ سب سے
گناہ گار ہوں اوروں سے کام کیا ہے مجھے

نہیں پھروں گا ترے آستاں کی خیر رہے
وفا شعار ہوں اوروں سے کام کیا ہے مجھے

کہاں کہاں ہے مرے اضطراب کی دُنیا
کہ بے قرار ہوں اوروں سے کام کیا ہے مجھے

نگاہِ یار سر فرش ہی نہ ٹِک جاؤں
ذلیل خوار ہوں اوروں سے کام کیا ہے مجھے

یہ بے خودی ہی کھلی ہے ترے تصوّر کی
میں ہوشیار ہوں اوروں سے کام کیا ہے مجھے

مری خزاں بھی تو ہی ہے مرا چمن بھی تو ہی
گئی بہار ہوں اوروں سے کام کیا ہے مجھے

تجھے قسم ہے اِدھر نازک انگنی فرما
کہیں شکار رہو اوروں سے کام کیا ہے تجھے
دل و جگر نہیں بریاں تو کیا کروں بہزاد
ہیں اشکبار رہوں اوروں سے کام کیا ہے مجھے

حقیقتیں

سوختہ مثلِ شمعِ محفل ہوں
رو رہا ہوں ہیں صاحبِ دل ہوں
مجھ کو کچھ اس سے واسطہ ہی نہیں
دور ہوں یا قریبِ ساحل ہوں
روز پاتا ہوں خود کو ڈھونڈ کے میں
خود ہی رہبر ہوں خود ہی منزل ہوں
کر رہا ہے یہ میرا دستِ طلب
اُن کے دستِ کرم پہ مائل ہوں
کوئی حسرت نہ کوئی ارماں ہے
ایک اُکھڑی ہوئی سی محفل ہوں
مجھ سے پوچھو نہ ماجرا میرا
خود ہی بسمل ہوں خود ہی قاتل ہوں

دل لگا تا ہوں سوچ بہزاد
عاشقی میں مُرید کامل ہوں

تمنائے دِل

جو تو یاد مُجھ کو نہ آئے تو اچھا
اگر تو مجھے بھول جائے تو اچھا

محبّت جسے کہہ رہا ہے زمانہ
مری زندگی پر نہ چھائے تو اچھا

مزا آ رہا ہے مجھے بے خودی میں
نہ مجھ کو کبھی ہوش آئے تو اچھا

محبّت کی دنیا میں، ہلچل مچے گی
مجھے گر نہ تو آزمائے تو اچھا

فریبِ محبّت فریبِ محبّت
یہ دل اپنی منزل نہ پائے تو اچھا

ہوا آج مستی سے چلنے لگی ہے
گھٹا آج گِھر گِھر کے چھائے تو اچھا

سُنا ہے کہ دیوانگی بڑھ گئی ہے
وہ بہزاد پر مسکرائے تو اچھا

بیگانگی

ترے جمال کو میں کچھ سمجھ نہیں سکتا
خود اپنے حال کو میں کچھ سمجھ نہیں سکتا

تمہیں بتاؤ کہ پھر میں خوشی کو کیا سمجھوں
کہ جب ملال کو میں کچھ سمجھ نہیں سکتا

بتا دے وجد ہے کیا چیز اور حال ہے کیا
کہ وجد و حال کو میں کچھ سمجھ نہیں سکتا

ترا کمال ہے میرے کمال سے برتر
ترے کمال کو میں کچھ سمجھ نہیں سکتا

یہ کس خیال سے میں نے سوال تجھ سے کیا
اگر سوال کو میں کچھ سمجھ نہیں سکتا

غم فراق کی منزل سے آشنا ہوں میں
غم وصال کو میں کچھ سمجھ نہیں سکتا

کسی سے اس کی شکایت کروں میں کیا بہزاد
کہ اپنے حال کو میں کچھ سمجھ نہیں سکتا

فدائے حُسن

ہے میری تیری ایک ذات میں تیری ذات کے نثار
اے میرے دل کی کائنات میں تیری ذات کے نثار

ہے تو ہی جان عاشقی، ہے تو ہی روحِ زندگی
اے میرے مرکز حیات، میں تیری ذات کے نثار

مہر میں تو ہے جلوہ گر تجھ سے ہے تابشِ قمر
دن ہے تو ہی تو ہی ہے رات میں تیری ذات کے نثار

میری زباں پہ تیرا نام تجھ سے ہی پُر مرا کلام
تو ہی سخن تو ہی بات میں تیری ذات کے نثار

اے میرے حاصل وفا تجھ پہ تصدق و فدا
میری حیات و کائنات میں تیری ذات کے نثار

دل میں مرے ہے اک خلش دل میں مرے ہے اک تپش
دے مجھے درد سے نجات میں تیری ذات کے نثار

آکے بچھی بساط غم اور لگی بازی الم
کس کی ہے جیت کس مات میں تیری ذات کے نثار

شکوۂ دنیا

ہمیں کس طرح بھول جائے گی دنیا
کہ ڈھونڈھے سے ہم سا نہ پائے گی دنیا

مجھے کیا خبر تھی کہ نقشِ وفا کو
بگاڑے گی دنیا بنائے گی دنیا

محبّت کی دنیا میں کھویا ہوا ہوں
محبّت بھرا مجھ کو پائے گی دنیا

ہمیں خوب دے گی فریبِ محبّت
ہمارے نہ دھوکے میں آئے گی دنیا

میں یہ جانتا ہوں جبینِ محبّت
ترے نقش پر سر جھکائے گی دنیا

قیامت کی دنیا میں ہے دل فریبی
قیامت میں بھی یاد آئے گی دُنیا

رُلا دوں میں بہزادؔ دنیا کو خود ہی
یہ مجھ کو بھلا کیا رُلائے گی دُنیا

منشائے شوق

اس کے علاوہ تم ہی کہو کیا کہوں تمہیں
جانِ نشاط جان تمنا کہوں تمہیں

میری نگاہِ دل میں سمائے ہوئے ہو تم
بولو جہانِ عشق کا منشا کہوں تمہیں

میرے غموں کو تم نے خوشی بدل دیا
اپنے جہانِ غم کا سہارا کہوں تمہیں

اب دور ہوتا جاتا ہے بیگانگی کا رنگ
جی چاہتا ہے میرا کہ اپنا کہوں تمہیں

رگ رگ میں عشق کی ہیں تمہارے تجلیاں
دُنیائے عاشقی کا اُجالا کہوں تمہیں

ہر ہر ادا تمہاری ہے خود اک جہانِ حُسن
کس طرح ایک حُسن کی دنیا کہوں تمہیں

سالم نہ جیب ہے نہ گریباں نہ آستیں
بہزادؔ خود بتاؤ تم ہی کیا کہوں تمہیں

بارِ محبّت

مجھے کر عطا صرف بار محبّت
میں بندہ ہوں پروردگارِ محبّت

ہمیں زندگی میں بتا کب ملے گا
سکونِ محبّت قرارِ محبّت

میں اک بُت کو خود ہی خدا کہہ رہا ہوں
عجب چیز ہے اعتبارِ محبّت

محبت کی تسخیر کیا کوئی جانے
دو عالم ہوئے ہیں نثار محبّت

یہ کس نے اُٹھایا ہے چہرے سے پردا
منوّر ہے پھر جلوہ زارِ محبّت

ہر اک لمحہ ہے اس نظر سے مقابل
سکوں پائے کیا بے قرار محبّت

محبّت میں بہزادؔ کیا تم نے پایا
کہ خود کو کیا ہے نثار محبّت

خیالِ خام

دِل کو خیالِ خام اگر ہے تو کیا ہوا
یہ قصّہ ناتمام اگر ہے تو کیا ہوا

دامن تو پھٹ چکا ہے گریباں بھی پھٹ چکا
یہ عشق ہی کا کام اگر ہے تو کیا ہوا

مقصود تو یہ ہے کہ رہے بندگی کی لاگ
سجدہ بہ طرزِ عام اگر ہے تو کیا ہوا

واعظ تو بول جب مری توبہ میں فرق آئے
ہاتھوں میں اپنے جام اگر ہے تو کیا ہوا

ساقی تجھے بندہ نوازی ضرور ہے
اِک کیفِ ناتمام اگر ہے تو کیا ہوا

جلوؤں کا احترام نگاہوں کا فرض ہے
جلوؤں کا احترام اگر ہے تو کیا ہوا

بہزاد نم نہ ہو جائیں آئے کمال ہے
یہ طنز بہ سلام اگر ہے تو کیا ہوا

۲۲

آرزوئے غم

غم بھی دے اور پیچ و تاب بھی دے
مجھ کو ہر عشق کا عذاب بھی دے

جام خالی نہ دے مجھے ساقی
اس میں بھر کر ذرا شراب بھی دے

دینے والے سکون نہیں کافی
مجھ کو تھوڑا سا اضطراب بھی دے

ساتھ اشکوں کے میری آنکھوں کو
جلوہ ہائے تہِ نقاب بھی دے

مجھ کو تو حسنِ انتخاب کے ساتھ
طاقتِ حسن انتخاب بھی دے

چاہتا ہوں شراب آتش خیز
جام میں میرے آفتاب بھی دے

بات کیا اس سے میں کروں بہزاد
وہ مری بات کا جواب بھی دے

احساسِ دل

نثارِ جلوۂ جانانہ ہونے والا ہوں
زہے نصیب کہ دیوانہ ہونے والا ہوں

بڑھا بڑھا مری خودداریوں کا رنگ بڑھا
ترے کرم سے کبھی بیگانہ ہونے والا ہوں

بھڑک رہی ہے مرے دل میں آتشِ الفت
بغیر شمع کے پروانہ ہونے والا ہوں

اُٹھا اٹھا ذرا اپنی نقابِ رُخ تو اٹھا
ترے جمال کا افسانہ ہونے والا ہوں

اُمیدِ توبہ نہ رکھ مجھ سے زاہدِ ناداں
میں تو بسمل پیمانہ ہونے والا ہوں

ازل سے لایا ہوں پہلو میں اک دلِ بیتاب
کسی نگاہ کا نذرانہ ہونے والا ہوں

اسی لئے تو ہے بہزادؔ جذب میں مری روح
مُریدِ مرشدِ میخانہ ہونے والا ہوں

افسانۂ محبّت

محبّت کا میری سن کر فسانہ
ترا مشتاق ہے سارا زمانہ
ترے اس حُسن کو اللہ سمجھے
کہ جو انداز ہے وہ کافرانہ
کروں کیوں کر نہ ایمان کو تصدّق
ادا جو بھی ہے وہ ہے کافرانہ
مرے لب پر محبّت کے ہیں نغمے
مرے لب پر محبّت کا ترانہ
بڑی دل چسپ ہے تیری کہانی
بڑا پُر درد ہے میرا فسانہ
اُدھر ماحول تیرا حسن پرور
اِدھر ماحول میرا عاشقانہ
نہ کیوں کر یاد کر کے روؤں بہزاد
محبّت کا زمانہ تھا زمانہ

التجائے محبت

کچھ دیر کو تو بزمِ محبت سجا کے دیکھ
آ میری آرزوؤں کی دُنیا میں آ کے دیکھ

پھر میری آرزوؤں میں ہلچل مچا کے دیکھ
ہاں دیکھ میری سمت مگر مُسکرا کے دیکھ

زیر و زبر جہانِ تمنّا ہو دل کے ساتھ
نیچی نظر سے دیکھ نگاہیں اُٹھا کے دیکھ

زاھد نصیب ہو گا تجھے لطف زندگی
نقشِ قدم پہ آج ذرا سر جھکا کے دیکھ

دُہراؤں پھر فسانۂ طور و کلیمؑ کو
آ اور اس طرح مجھے جلوہ دکھا کے دیکھ

بیگانگی میں لطف نہیں کوئی زیست کا
تجھ کو مری قسم مجھے اپنا بنا کے دیکھ

سجدوں کی آرزو ہے جو بہزاؔد مبتلا
اپنی جبیں سے نقشِ وفا جگمگا کے دیکھ

یادِ رفتہ

جب سے بے بے لسی نہیں میری
زندگی ! زندگی نہیں میری

غم ہے وابستہ میرے دامن سے
اور ظالم خوشی نہیں میری

زندگی تھی تمہارے قدموں تک
اب کہاں ہے وہ زندگی میری

آنکھ میں اشک لب پہ ہے فریاد
دیکھ لے شانِ عاشقی میری

سجدے کرتا ہوں ایک ظالم کو
ہے الگ سب سے بندگی میری

میں ضیا تابیوں کا مالک ہوں
چاند میرا ہے، روشنی میری

میری دنیا تو وہ ہیں اے بہزاد
جو خوشی اُن کی وہ خوشی میری

زندگیٔ عشق

عاشقی حسن سے دوچار ہوئی جاتی ہے
زندگی اور بھی دشوار ہوئی جاتی ہے

مست نظروں کو ذرا روک تو لے اے ساقی
بزم کی بزم ہی سرشار ہوئی جاتی ہے

دل امنڈ نے پہ بھی آنسو نہیں گرنے پاتے
غم کی دنیا بھی تو خوددار ہوئی جاتی ہے

ایک میں کہ ہر اک طرح لٹا جاتا ہوں
اک طبیعت ہے کہ بیزار ہوئی جاتی ہے

دل کی دُنیا مری لذتِ کشِ آزار نہیں
پھر وہ لذت کشِ آزار ہوئی جاتی ہے

جلوے برسائیں گے وہ اے نگہ شوق سنبھل
ختم اب حسرت دیدار ہوئی جاتی ہے

میرا افسانہ جو سنتا ہے وہ رو دیتا ہے
ساری دنیا مری غم خوار ہوئی جاتی ہے

آج تو حسن کو ہے ہم سے شکایت بہزادؔ
عاشقی برسرِ پیکار ہوئی جاتی ہے

کیفیت

دردِ پائے شراب کے بدلے
غم ملا اضطراب کے بدلے

زندگی کامیاب کیوں دے دی
زندگیٔ خراب کے بدلے

ہے لبوں پر تبسّم رنگیں
آج تو پیچ و تاب کے بدلے

عاشقی دُور تر بنا دے مجھے
عاشق باریاب کے بدلے

ہم نے پائی ہے اُف جوانی میں
اک قیامت شباب کے بدلے

اللہ اللہ یہ رنگ کیسا ہے
بے حجابی حجاب کے بدلے

دولتِ دو جہاں نہ لوں بہزاد
میں غمِ بے حساب کے بدلے

میرے لئے

جب وہ ہوں بے قرار میرے لئے
کیوں نہ تڑپے بہار میرے لئے

عشق میں ہیں تباہیاں لازم
تم نہ اشکبار میرے لئے

دیکھتی ہیں تمہیں میری نظریں
تم ہوئے جلوہ بار میرے لئے

ایک میں اس جہان مستی میں
بیخود و ہوشیار میرے لئے

آپ کیا روئے بلکہ ہے گریاں
میرا خود حالِ زار میرے لئے

میں سکون کے لئے تڑپتا ہوں
ہے سکوں بے قرار میرے لئے

وقف کر دی یہ کس نے اے بہزاد
گردشِ روزگار میرے لئے

بے بسیِ شوق

آہ دل سے نکل ہی جاتی ہے
کچھ طبیعت بہل ہی جاتی ہے

زندگی کی شکایتیں کیسی
یہ ستم گر بدل ہی جاتی ہے

اے مرے دل کے دیکھنے والو
حالتِ دل سنبھل ہی جاتی ہے

بزم آتی ہے اپنے رنگ پہ جب
شمع محفل میں جل ہی جاتی ہے

وہ جو آتے ہیں دیکھ لیتا ہوں
ایک حسرت نکل ہی جاتی ہے

وقت پر میرے کیا کہوں دنیا
اپنی نظریں بدل ہی جاتی ہے

اک نہ اک بات پر سدا بہزاد
اُن سے اور مجھ سے چل ہی جاتی ہے

تیغ بے نیام

وہ تیغ بے نیام کئے جا رہے ہیں کیوں
قصّہ مرا تمام کئے جا رہے ہیں کیوں

نظریں ملا رہے ہیں ہر اک سے وہ بار بار
افسانہ میرا عام کئے جا رہے ہیں کیوں

آنکھوں میں اُن کی اشکِ الم خیریت تو ہے
برہم مرا نظام کئے جا رہے ہیں کیوں

زلفوں کو اپنے رخ پہ گرائے ہیں کس لئے
اب تک سحر ہے شام کئے جا رہے ہیں کیوں

مجھ تک جو آ رہے ہیں تو تاخیر سے غرض
ہر ہر قدم قیام کئے جا رہے ہیں کیوں

حد بھی ہے کوئی اُن کے ستم ہائے ناز کی
جینا مرا حرام کئے جا رہے ہیں کیوں

بہزادؔ اس کا راز سمجھ میں نہ آسکا
جھک جھک کے وہ سلام کئے جا رہے ہیں کیوں

بے خودئ جنوں

نہ ہے وہ الم سی نہ ہے وہ خوشی سی
ملی ہے مجھے ایک شئے زندگی سی

یہ تاریکیاں کیوں فرو ہو رہی ہیں
یہ کیوں آج ہونے لگی روشنی سی

نظر آرہے ہو جو تم مہرباں سے
تو محسوس کرنے لگا ہوں خوشی سی

اُٹھائی ہیں کیا آپ نے مست نظریں۔
محبت کی دنیا میں ہے بیخودی سی

خدا کی قسم بھول جاؤ زمانہ
جو ہو جائے حالت تمہاری مری سی

تصور ہے یا آپ خود سامنے ہیں
نگاہوں ہیں تصویر ہے آپ کی

دُعا ہے الٰہی جہان وفا میں
کسی کی نہ حالت ہو بہزاد کی سی

شرما کے دیکھو

ادھر آؤ ہاں اب تو شرما کے دیکھو
محبّت پہ اب تو ستم ڈھا کے دیکھو

محبت ہے کتنی حسین اس کا جلوہ
بہت دور ہو کچھ قریب آ کے دیکھو

خیال محبّت میں کھویا ہوا ہوں
مجھے ہوش میں تم ذرا لا کے دیکھو

جو دل ناز فرمانے کو چاہتا ہے
بڑے شوق سے ناز فرما کے دیکھو

قسم میرے سر کی تو کھاتے ہو اکثر
قسم اپنے سر کی بھی تو کھا کے دیکھو

مرا دل - مری ایک سنتا نہیں ہے
ذرا اس کو کچھ تم ہی سمجھا کے دیکھو

ہے اک لفظ بہزادؔ ظاہر میں الفت
مگر اس کے معنیٰ تو پھیلا کے دیکھو

حاصلِ سجدہ

میں حاصلِ سجدہ ہوں
ہاں نقشِ کفِ پا ہوں

کیا مجھ کو خبر کیا ہوں
خالق ہوں کہ بندہ ہوں

وہ عہد کسی کے ہیں
کب بھولنے والا ہوں

معراجِ وفا پائی
بدنام ہوں رسوا ہوں

وہ رونے پہ ہنستے ہیں
میں دیکھ کے روتا ہوں

تم حُسن کا افسانہ
میں عشق کا قصّہ ہوں

سب جینے کو مرتے ہیں
میں مرنے کو جیتا ہوں

میں عشق کی بازی کو
ہارا ہوں نہ جیتا ہوں

تم کو مرے ارماں ہو
میں کس کی تمنّا ہوں

بہزاد وہ سنتے ہیں
جو شعر میں کہتا ہوں

مبتلائے آرزو

خدا جانے یہ کس عطا ہے
کہ دل تنگ آشنائے مدّعا ہے

مجھے دیکھو جو خود کو دیکھنا ہے
کہ خود منزل ہی منزل کا پتا ہے

محبت میں خدا بھی مبتلا ہے
خدا جانے محبت چیز کیا ہے

نظر آتے ہو تم بھی مضطرب سے
تمہارے دل میں بھی محشر بپا ہے

مجھے کیا واسطہ اب ناخدا سے
کہ اب کشتی کا طوفاں ناخدا ہے

جبینِ شوق کھنچتی ہے ادھر کیوں
یقیناً یہ انھیں کا نقشِ پا ہے

مرا کیا ہے میں غم میں مبتلا ہوں
مگر تم کو یہ آخر کیا ہوا ہے

بتاؤ تو یہی ہے کیا تصوّر
کوئی تم سا نظر میں پھر رہا ہے

نہ کیوں تڑپائیں دل اشعار بہزاد
کہ وہ شاعر بھی تو بےچین سا ہے

خیالاتِ جنوں

ہم خیالاتِ جنوں میں بہہ گئے
ہائے کیا کہنا تھا اور کیا کہہ گئے

میرے رونے پہ وہ ہنس کر رہ گئے
اک فسانہ سن گئے اک کہہ گئے

ہم زمین و آسماں کی سختیاں
چار دن کی زندگی سہہ گئے

غم کا کیا کہنا زبانِ حال سے
بے کہے بھی ہم تو سب کچھ کہہ گئے

منزلِ مقصد پہ پہنچا کارواں
ایک بس ہم تھے کہ پیچھے رہ گئے

ہائے پیچھے رہ گئی حدِ جنوں
جانے کس رَو میں ہم آگے بہہ گئے

کیا بجائے داستانِ حُسن کے
ہم محبّت کا فسانہ کہہ گئے

اُن سے اپنی بے خودی شوق میں
جو فسانہ یاد تھا وہ کہہ گئے

اب کہاں بہزاد وہ جوشِ جنوں
صرف کہنے کو فسانہ رہ گئے

شیدائے اضطراب

ہر وقت کہ رہا ہے یہ شیدائے اضطراب
اُف ہائے درد ہائے خلش ہائے اضطراب

دنیا سے پوچھتی ہے یہ دنیائے اضطراب
کس کس کو ہے جہاں میں تمنائے اضطراب

وہ پُرسکونِ دل نہیں ہاں پُرسکون دل
جس پُرسکون دل میں نہیں جائے اضطراب

ہے جانِ عشق جانِ محبت اسی کا نام
دل کی وہی خلش کہ جو کہلائے اضطراب

بن جاؤں کچھ سے کچھ میں جہان خراب میں
مجھ پر کرم ذرا سا جو فرمائے اضطراب

کیا فکر ہے تجھے مرے اے ناخدائے عشق
ہے پُرسکون دل میں مرے جائے اضطراب

بہزاد کا تو نام ہے بہزاد مضطرب
بہزاد کو نہ کس لئے تڑپائے اضطراب

کیا کہنا

اک شمع کی الفت میں جل جانے کا کیا کہنا
یہ سوختہ سامانی پروانہ کا کیا کہنا
خود اپنی زباں سے وہ دیوانہ کہیں جس کو
اللہ مرے ایسے دیوانے کا کیا کہنا
وحشی کی نگاہوں میں وہ گھر ہو کہ گلشن ہو
ہر چیز ہے ویرانہ ویرانے کا کیا کہنا
جیسے نہیں اب کچھ رسم تکلف ہی
یوں سامنے نظروں کے آجانے کا کیا کہنا
اک حسنِ مجسّم کا خود بوئے وفا بن کر
دنیائے محبت میں چھا جانے کا کیا کہنا
دنیائے محبت میں یوں دیدہ و دانستہ
ہُشیار رہے دیوانہ بن جانے کا کیا کہنا
جس جا بھی نظر آئے ذروں میں تجلی سے
سجدے کے لئے اُس جا جھک جانے کا کیا کہنا
آنسو نظر آتے ہیں بے درد کی آنکھوں میں بہزاد محبت کے افسانے کا کیا کہنا

خدائے تصوّر

خدائے تخیل خدائے تصوّر
نہ دے مجھ کو تو کچھ سوائے تصوّر

نگاہیں مری آشنائے تصوّر
ہے دل واقفِ ماجرائے تصوّر

کروں میں تصوّر کو کیوں کر نہ سجدے
کہ میرا خدا ہے خدائے تصوّر

کئے ہوں بہت دیر سے بند آنکھیں
تمہاری قسم میں برائے تصوّر

نگاہوں کا مرکز بنے جا رہے ہو
بڑے لطف کی ہے عطائے تصوّر

جبینِ محبّت جبینِ محبّت
مبارک تجھے نقش پائے تصوّر

تصوّر نے بھی مجھ سے کی بے وفائی
زبان پر ہے بہزادؔ ہائے تصوّر

تمنّائے حسین

الٰہی سدا مجھ کو تڑپائے کوئی
فریبِ محبّت دیئے جائے کوئی

خراماں خراماں نگاہیں جھکائے
مرے سامنے سے گزر جائے کوئی

محبّت مرا حال ایسا بنا دے
اگر مجھ کو دیکھے تو شرمائے کوئی

نہیں چاہتا خود میں اظہار کرنا
خیالات خود میرے پا جائے کوئی

محبّت کی دُنیا میں ہم چاہتے ہیں
ہمارے مقابل نظر آئے کوئی

اگر زندگی محبت یہی ہے
تو ہم پر کرم اب نہ فرمائے کوئی

میں بہزاد وہ زندگی چاہتا ہوں
کہ ہر لمحہ جس میں نظر آئے کوئی

قربانِ تمنّا

اک چیز بھی سالم نہیں قربانِ تمنّا
دامانِ تمنّا نہ گریبانِ تمنّا

ہے آرزوئے بے سروسامانِ تمنّا
بس ایک نظر دیکھ لے وہ جانِ تمنّا

اس یاس کا اس ہجر کا اس غم کا برا ہو
ہاتھوں سے چھٹا جاتا ہے دامانِ تمنّا

ہے دینِ تمنّا کا تری شوخ نگاہی
ہے کفر ادائی تری ایمانِ تمنّا

اب درد ہے باقی نہ خلش ہے نہ تپش ہے
کوئی بھی نہیں سلسلہ جنبانِ تمنّا

اشک آنکھوں میں آتے ہی چلے جاتے ہیں میرے
بڑھتا ہی چلا جاتا ہے طوفانِ تمنّا

کیا حُسن کو معلوم کہ کوتاہ نظر ہے
میں جانتا ہوں وسعتِ دامانِ تمنّا

تم چاہتے ہو وہ کریں تحریکِ محبت
بہزاد انوکھا ہے یہ عنوانِ تمنّا

حوصلۂ شوق

عشق کا اور حوصلہ ہو جائے
حُسن بڑھ کر اگر خدا ہو جائے

دل اگر عشق میں فنا ہو جائے
موت یہ زندگی نما ہو جائے

گر جبیں وقفِ نقشِ پا ہو جائے
حق محبّت کا کچھ ادا ہو جائے

میری کشتی ہے خدا پر نظر
دُور نظروں سے ناخدا ہو جائے

زندگی بھر کی ساقیا پی لوں
گر درِ توبہ آج وا ہو جائے

یوں تو قسمت میں کچھ نہیں ہے مرِی
تم جو چاہو تو کچھ بھلا ہو جائے

دیکھ کر تجھ کو باوفا بہزاد
ساری دنیا نہ باوفا ہو جائے

ناکامِ ضبط

ناکامِ ضبط کیوں نہ ہوں اے حُسنِ یار ہم
کب کے گنوا چکے ہیں سکون اور قرار ہم

ہوں وجہ انتظار نہ کیوں اشکبار ہم
کب سے اُٹھا رہے ہیں غم انتظار ہم

تو نے ہی تو جبیں کو کیا ہے جبینِ شوق
قربان تجھ پہ نقشِ کفِ پائے یار ہم

آؤ کہ حسن و عشق کی دونوں کی لاج ہے
ہم پر نثار تم ہو تو تم پر نثار ہم

معلوم ہے یہ خوب کہ آنا محال ہے
کرنے کو کر رہے ہیں ترا انتظار ہم

اُن کی نگاہِ نازییں نظروں کو ڈال کر
ہاں دیکھتے ہیں جلوۂ پروردگار ہم

کرتے ہیں بندگی جو محبّت کے نام پر
بہزاد کو بھی کریں انھیں میں شمار ہم

سوادِ غم

سوادِ غم کہ غمِ ماسوا نہیں ملتا
کوئی بتائے محبت میں کیا نہیں ملتا

چلو تلاش کریں ہٹ کے دو جہاں سے کہیں
کہ دو جہاں ہیں تو اس کا پتا نہیں ملتا

یہ شاہ راہِ محبت ہے ہم سفر کو یہاں
نشانِ سجدہ تو ہے نقشِ پا نہیں ملتا

جبینِ شوق میں ہر دم تپش سی رہتی ہے
زہے نصیب کہ مجھ کو خدا نہیں ملتا

نہ پوچھ مجھ سے کہ ملتا ہے کیا انھیں نے اہد
کسی کا جلوۂ رنگین ادا نہیں ملتا

گدا نواز بیاں رہتی ہیں تشنۂ بخشش
گدا نواز کو جب تک گدا نہیں ملتا

ہیں دو جہاں میں گم راہ مدعا بہزاد
کہ دو جہاں میں مرا مدعا نہیں ملتا

مُبارک

یہ رندو! ساغر و مینا مُبارک
یہ بادل دیکھ کر پینا مُبارک
ترے تارِ نظر سے وحشیوں کو
گریباں پھاڑ کر سینا مبارک
محبت میں کسی ظلم آفریں کی،
ہمیں مر مر کے یہ جینا مُبارک
مبارک اُن کو رونے پر تبسُّم
ہمیں یہ اشکِ غم پینا مبارک
مُبارک مجھ کو میری صاف طینت
نگاہِ غیر کو کینا مبارک
پپیہا کہہ رہا ہے پی کہاں ہے
یہ مجھ کو میرا آئینا مبارک
جو بہزادِ حزیں اُن کے لئے ہو
وہ مرنا اور وہ جینا مبارک

اعتمادات

تو آئے نہ آئے مگر اعتبار ہے
اے جانِ انتظار ترا انتظار ہے

رونق نہیں ہے غنچۂ و گل برگ و بار پر
آجا کہ منتظر تری فصلِ بہار ہے

اک میں کہ مجھ سے حُسن کا ہر ذرّہ منحرف
اک تم کہ تم پہ عشق کا عالم نثار ہے

دیکھا تھا کیا ازل میں ترا پیکرِ جمیل
اب تک فضائے عشق میں قائم بہار ہے

ڈوبا جہانِ عشق - وہ ڈوبا جہانِ عشق
طوفانِ اشک ہے اور چشمِ یار ہے

صدقے ہزار سر کروں میں پائے یار پر
وقفِ سر نیاز اگر پائے یار ہے

وہ حُسن جو ہو لفظ محبّت سے آشنا
اس حُسن پر جہانِ محبّت نثار ہے

بہزاد جس کا نام ہے اک بیقرار ہے
بیتاب مضطرب سکون سے ہے دور دُور

بہارِ گلستاں

توہی ہے توہی ہے بہارِ گلستاں
تری ذات ہے پردہ دارِ گلستاں
ہے دم سے ترے اے نگارِ گلستاں
یہ سب رنگ و بو یہ بہارِ گلستاں
تو ہی میرا گلشن تو ہی فصلِ گل ہے
ترے دم سے ہے اعتبارِ گلستاں
ہر اک پھول پر تیرا عکسِ جوانی
نظر ہو رہی ہے نثارِ گلستاں
ترے حُسن کا گُل چمن پر ہے سِکہ
نوشاہِ چمن تاجدارِ گلستاں
خزاں اک نظر میں بہار اک نظر میں
تجھے دے دیا اختیارِ گلستاں
چمن کا ہر اک ذرّہ خود اِک چمن ہے
طفیلِ جمالِ نگارِ گلستان
دکھا دے کوئی اِس سکونِ چمن کو
میں بہزاد ہوں بے قرارِ گلستان

اور کہوں کیا

تم شمع میں پروانہ ہوں اب اور کہوں کیا
خود کہتا ہوں دیوانہ ہوں اب اور کہوں کیا

کہنے کا مجھے ہوش نہ مرنے کا مجھے ہوش
خود آپ سے بیگانہ ہوں اب اور کہوں کیا

جس شمع کے پروانے ہیں دنیا کے یہ ذرّے
اُس شمع کا پروانہ ہوں اب اور کہوں کیا

ساقی تجھے کیا کام مرے نام و نشان سے
میں طالب پیمانہ ہوں اب اور کہوں کیا

یہ گردش دوراں مری قسمت میں لکھی ہے
تسبیح کا اک دانہ ہوں اب اور کہوں کیا

میں عقل و خرد عشق و وفا درد و غم و رنج
ہر چیز سے بیگانہ ہوں اب اور کہوں کیا

سجدے مجھے کرنے دے در یار پہ زاہد
بیہوش ہوں دیوانہ ہوں اب اور کہوں کیا

دیوانہ سمجھتے ہیں وہ بہزاد مجھے تو
یہ سچ بھی ہے دیوانہ ہوں اب اور کہوں کیا

قدرتیں

میں تصوّر جما تو سکتا ہوں
ان کو دل میں بٹھا تو سکتا ہوں

نقشِ پا؟ سر جھکا تو سکتا ہوں
اپنی منزل پہ جا تو سکتا ہوں

دل میں ہے میرے حسرتوں کا ہجوم
شورِ محشر اٹھا تو سکتا ہوں

دل میں اگر جذبۂ محبّت ہے
ان کو اپنا بنا تو سکتا ہوں

گر اُنھیں یاد آ نہیں سکتا
اُن کو دل سے بھلا تو سکتا ہوں

غم میں ڈوبا ہوا فسانہ ہے
اُن کو پہروں رُلا تو سکتا ہوں

حالتِ دِل دِکھا نہیں سکتا
حالت دِل تو سُنا تو سکتا ہوں

رکھ کے قدموں پہ سر کو اے بہزاد
سوئی قسمت جگا تو سکتا ہوں

یاس

کیا بتاؤں کسی کو کیا ہوں میں
اُن کا دُھندلا سا نقش پا ہوں میں

آ رہی ہیں جو ہچکیاں پیہم
کیا تمہیں یاد آ رہا ہوں میں

اس فریب نگاہ کے صدقے
جس کے دھوکے میں آ گیا ہوں میں

اُن کو نظروں پہ بھی چڑھا نہ سکا
کس قدر پست حوصلہ ہوں میں

میری دُنیا کا آسرا ہے غم
غم کی دنیا کا آسرا ہوں میں

مجھ کو طوفاں کا خوف ہی کیا ہے
اپنی کشتی کا ناخدا ہوں میں

کوئی مجھ کو بتائے اے بہزاد
کس کو ہر سمت ڈھونڈتا ہوں میں

فریبِ حسین

کتنا حسیں فریبِ تمنا دیا گیا
محسوس بھی نہ ہو سکا دھوکا دیا گیا

تم کو ازل میں حسنِ تجلّٰی دیا گیا
میری نظر کو ذوقِ تماشا دیا گیا

بالکل ہی غرق ہو چکا جب بحرِ عشق میں
اُس وقت ہائے مجھ کو سہارا دیا گیا

جی چاہتا ہے بیٹھ کے اُس دن کو روؤں میں
جس دن کہ مجھ کو ذوقِ نظارا دیا گیا

پی کر شرابِ حُسن سنبھلتا نہ کس طرح
جب مست انکھڑیوں کا سہارا دیا گیا

جب مجھ کو راس آ گئی دُنیائے عاشقی
ناکامیوں کو ایک اشارا دیا گیا

بہزاد یہ سمجھ کے بھی ہم مطمئن رہے
دھوکا دیا گیا ہمیں دھوکا دیا گیا

رازدانِ غم

کہہ جو رہا ہے داستاں اصل میں کوئی اور ہے
ہاں میرے غم کا رازداں اصل میں کوئی اور ہے

دیکھئے غور سے اگر آتا ہے اور کچھ نظر
پردۂ حسن میں نہاں اصل میں کوئی اور ہے

گل میں کہاں ہے یہ کشش دے کسی قلب خلش
گل نہیں حسنِ گلستاں اصل میں کوئی اور ہے

کیا ہیں زمین پہ خشک و تر کیا ہے فلک یہ یہ قمر
زیبِ زمین و آسماں اصل میں کوئی اور ہے

اے میرے گلشن و چمن برق نہیں یہ شعلہ زن
میرے قریبِ آشیاں اصل میں کوئی اور ہے

کون ہے آکے روبرو دے جو فریبِ آرزو
حاصلِ چشمِ خونچکاں اصل میں کوئی اور ہے

آپ کی یہ سخا نہیں آپ کی یہ عطا نہیں
حال پہ میرے مہرباں اصل میں کوئی اور ہے

جستجوئے عشق

اب تیری کیا ہے آرزو اے دل
حُسن ہے تیرے روبرو اے دل

کچھ نہیں اس میں رنج و غم کے سوا
عشق کی کر نہ جستجو اے دل

سننے پائے نہ دہر میں کوئی
حُسن و اُلفت کی گفتگو اے دل

یہ رہے اب بھلا کہاں جا کر
تجھ کو رونی ہے آرزو اے دل

حُسن کے چار سُو حسیں جلوے
ہر طرف تیرے آرزو اے دل

ہاں تصوّر کا تیرے کیا کہنا
لاکھ جلوے ہیں روبرو اے دل

تیرا ہمدرد ہے بہت بہزاد
اس کو برباد کر نہ تو اے دل

زندگی کے کھیل

کچھ غم کے کچھ خوشی کے کچھ حسن و عاشقی کے
ہاں کھیل کے تو یہ ہیں کچھ کھیل زندگی کے

وہ ابتدائے الفت دونوں طرف محبّت
افسانے یاد آئے بھولے ہوئے کبھی کے

کیا چیز ہے یہ دنیا اللہ رہے بے وفائی
کوئی نہیں ہمارا اور ہم ہیں ہر کسی کے

یکبارگی یہ تم نے اپنی نقاب الٹ دی
چھائے ہر ایک شئے پر انداز دلبری کے

ہیں دیکھنے کے قابل مجبوریاں کسی کی
ہے بے بسی ہماری اور ہم ہیں بے بسی کے

ہر عہد پر کسی کے ہے اعتبار کیسا
یہ دل کی سادہ لوحی قربان سادگی کے

لے دے کے اُس نے دل سے دیکھا ہے آپ ہی کو
بہزاد کی نظر میں جلوے ہیں آپ ہی کے

بندہ بنادو

خدا گر نہیں مجھ کو بندہ بنادو
حقیقت نہیں تو تماشہ بنادو
سمجھ میں جو آئے وہ نقشہ بنادو
محبت بنادو تمنّا بنادو
بنادو خدایا کہ بندہ بنادو
مجھے تو حقیقت کا فلشا بنادو
اگر یہ نہیں ہے تو کچھ بھی نہیں ہے
مجھے عشق کی ایک دُنیا بنادو
یہ گلشن یہ صحرا یہ ذرّے یہ سورج
ہر اک شئے کو محوِ تماشا بنادو
وہی جام جس نے کہ توبہ کو توڑا
اسی جام کو جامِ توبہ بنادو
جو بگڑے مقدر بنے بھی تو کیا ہے
اگر ہے ارادہ تو اچھا بنادو

جو بخشی ہے بہزاد کو غم کی دُنیا
ہر اک چیز کو غم کی دنیا بنا دو

محبّت کے موتی

وفا کے لئے وقف ہونے لگے ہم
کسی کے لئے روز رونے لگے ہم

چمکنے لگے پھر محبّت کے موتی
کہ پلکوں میں آنسو پرونے لگے ہم

غموں سے طبیعت ہے مانوس اتنی
کہ ہنسنے کے بدلے بھی رونے لگے ہم

ہر اک شئے میں کیا آپ ہی جلوہ گر ہیں
جو ہر شے سے مانوس ہونے لگے ہم

خوشا وہ نظر جس پہ تم مُسکرائے
زہے وہ نظر جس پہ رونے لگے ہم

زمانے سے کہہ دو ہمیں بھُول جائے
کہ اُن کے لئے وقف ہونے لگے ہم

مبارک ہو اے چشمِ مستِ محبّت
کہ بیگانۂ ہوش ہونے لگے ہم

یہ بہزاد دامن پہ کیا داغ غم ہیں
جو اشکوں سے دامن کو دھونے لگے ہم

مقصودِ غم

عشق کا کام غم اُٹھانا ہے
غم کا مقصود مُسکرانا ہے

دو زمانوں میں اک زمانہ ہے
ایک میرا ترا فسانا ہے

کیا تمہیں جلوہ پھر دکھانا ہے
کیا نگاہوں میں پھر سمانا ہے

جس سے مسحور کل زمانا ہے
اک مرا اک ترا فسانا ہے

کیا شکایت ہے اُن کی قلب حزیں
اُن کی عادت ہی بھول جانا ہے

سُننے بیٹھو تو ہائے کچھ بھی نہیں
کہنے بیٹھو تو اک فسانا ہے

زندگی! زندگی ہے اے بہزاد
مرنا جینا تو اک بہانا ہے

گریۂ عشق

زیست میں زندگی پہ روتا ہوں
عشق کی بے بسی پہ روتا ہوں

میرے ہر غم پہ مُسکراتے ہو
میں اسی سادگی پہ روتا ہوں

وہ تمہارے لئے ہو یا میرے
اب تو میں ہر خوشی پہ روتا ہوں

رونا چاہتا ہوں تو رو نہیں سکتا
اپنی اس بے بسی پہ روتا ہوں

اُن کے جلووں میں کھو گیا بے درد
دل کی میں بے خودی پہ روتا ہوں

ساتھ دیتا نہیں کوئی غم کا
گریۂ بے بسی پہ روتا ہوں

جو نہیں اُن کے واسطے بہزاد
اپنی اس شاعری پہ روتا ہوں

خطاب بہ نقشِ پا

دل بھی ناداں ہوا جاتا ہے
دشمن جان ہوا جاتا ہے

دیکھ کر آج وہ مجھے خوش ہیں
کفر ایمان ہوا جاتا ہے

عشق سے بچ کے چل رہا ہے کدھر
خون ارمان ہوا جاتا ہے

کام لے عشق ضبط گریہ سے
دل پریشان ہوا جاتا ہے

نقشِ پا دیکھ میرا ہر سجدہ
تجھ پہ قربان ہوا جاتا ہے

آج تو کفر کا ہر اک جلوہ
میرا ایمان ہوا جاتا ہے

جوشِ وحشت سے میرا ہر دامن
اک گریبان ہوا جاتا ہے

تجھ کو یہ بھی خبر ہے اے بہزادؔ
کس پہ قربان ہوا جاتا ہے

رازِ محبّت

ہے عشق مرے دم سے میں رازِ محبّت ہوں
میں نازِ محبّت ہوں اندازِ محبّت ہوں

میں مرکزِ درد اور غم ہیں حزن کا اک عالم
کیوں سوز نہ ہو مجھ میں دم سازِ محبّت ہوں

جلوے مری نظروں میں کیوں کر نہ مقیّد ہوں
میں معجزۂ الفت اعجازِ محبّت ہوں

میری ہی کہانی ہو میری ہی زبانی ہو
میں رازِ محبّت ہوں آوازِ محبّت ہوں

مشکل سا معمّا اک دشوار سا عقدہ اک
خود پر بھی نہیں ظاہر وہ رازِ محبّت ہوں

جس کو کہ ہر اک لمحہ خود حُسن اُٹھاتا ہے
میں عشق کی دنیا میں وہ نازِ محبّت ہوں

بہزادؔ! حسیں آ کر عزت مری کرتے ہیں
میں حُسن کی نظروں میں اعجازِ محبت ہوں

مرکزِ غم

پھر نگاہیں چار فرماتے ہیں آپ
کیوں مجھے سرکار تڑپاتے ہیں آپ

سامنے نظروں کے جب آتے ہیں آپ
دِل کی رگ رگ میں سما جاتے ہیں آپ

آگیا مجھ کو یقین ہر بات کا
میرے سر کی کیوں قسم کھاتے ہیں آپ

زندگی؟ ہے زندگی ناپائیدار
زندگی پر ناز فرماتے ہیں آپ

مرکزِ غم مرکزِ آلام ہوں
میری جانب کیوں بڑھے جاتے ہیں آپ

چپ جو رہتا ہوں تو گھٹ جاتا ہے دم
آہ کرتا ہوں تو گھبراتے ہیں آپ

کیا ہوئی بہزاد کی وہ زندگی
جس پہ اب تک ناز فرماتے ہیں آپ

رسم وراہ

آپ سے رسم وراہ کرتا ہوں
زندگی کو تباہ کرتا ہوں

تیری رحمت پہ ناز کرتا ہوں
بے غل وغش گناہ کرتا ہوں

توبہ کرتا ہوں ہر گناہ کے بعد
بعد توبہ گناہ کرتا ہوں

کتنے پُر سوز ہیں مرے نالے
کتنی پُر درد آہ کرتا ہوں

عشق والفت میں گریۂ غم کا
آنسوؤں کو گواہ کرتا ہوں

بھول جاتا ہے ساری دنیا کو
آپ پر جب نگاہ کرتا ہوں

مسکرا کر میں خندۂ گل پر
دل میں گلشن کے راہ کرتا ہوں

بے وفا بھی دیکھئے بہزاد
کس طرح سے نباہ کرتا ہوں

بیخودی

اُن کے خراب ہوش کو اتنی خبر کہاں
جلوے کہاں ہیں اُن کے اور اپنی نظر کہاں
کعبہ بھی اس طرف نہیں بُتخانہ بھی نہیں
لے جائے دیکھئے یہ تری رہ گزر کہاں
ہو تم ہی جلوہ ریز ہر اک جلوہ گاہ میں
آخر بتاؤ جائیں خرابِ نظر کہاں
مجھ کو ہلاک کر نہ دے منزل کی جستجو
بھٹکا کے جا رہا ہے مجھے راہ بر کہاں
اے حُسن و عشق آشنا عمرت دراز باد
ورنہ ترے نصیب میں غم کا اثر کہاں
ناکامیاں قبول ہیں بربادیاں قبول
ہم کیوں دعا کریں کہ دعا میں اثر کہاں
تشنہ تو رہنی ہی تھی یہ دنیائے بندگی
بہزاد کی جبیں کو ملا سنگِ در کہاں

دِل کی راہیں

آپ پھرتے ہیں دل کی راہوں میں
آپ ہی ہیں مری نگاہوں میں

ہر گھڑی ہے امیدِ رحمت پر
ہے لطافت مرے گناہوں میں

کیوں نہ ہوں لاکھ مے کدے رقصاں
کیف بے حد ہے ان نگاہوں میں

منزلِ عشق پر ہے ناکامی
مشکلیں عاشقی کی راہوں میں

عشق اے عشق! ہے اجل رقصاں
حُسن کی خشمگیں نگاہوں میں

جب کہیں سر ہوئی ہے یہ منزل
دل بھٹکتا پھرا ہے راہوں میں

اُن سے بچنا محال ہے بہزادؔ
کیف ہے کیف ہے نگاہوں میں

آتشِ غم

آہوں سے ہم اک آگ سی برسا کے رہ گئے
دنیائے اختیار کو گھبرا کے رہ گئے

یہ ظلم گر کرم ہے جفا ہے اگر عطا
کیوں اپنے ظلم و جور پہ شرما کے رہ گئے

تیرے تصوّرات کے قربان جایئے
میرے تخیّلات پہ چھا چھا کے رہ گئے

غم بھی نہیں نصیب الم بھی نہیں نصیب
ہم زندگیٔ عشق کا غم کھا کے رہ گئے

حسرت ہے کوئی چیز نہ ارماں ہے کوئی شئے
دل کے حسین فریب میں ہم آ کے رہ گئے

جو خوش نصیبِ عشق تھے منزل پہنچ گئے
جو بد نصیبِ عشق تھے گھبرا کے رہ گئے

بہزاد عشق جرم نہیں ہے خطا نہیں
باتوں میں تم جہان کی کیوں آ کے رہ گئے

بھُول جا

اے دل تو یا لفظِ محبت کو بھُول جا
یا اس جہانِ عشق میں راحت کو بھُول جا

بد قسمتی سے جو کہ مرتبہ نہ ہو سکی
الفت کی اس حسین حکایت کو بھول جا

جس کو کہ دل قبول کرے اُس سے دل لگا
افسانۂ مجاز حقیقت کو بھول جا

مدت ہوئی سے گئے ہوئے فصل بہار کو
دستِ جنوں سے کہہ دو کہ وحشت کو بھول جا

اے عشق بیوفائی تو فطرت ہے حُسن کی
لِلّٰہ دل فریبیٔ جنت کو بھول جا

جو عارضی ہو اُس کی تمنا فضول ہے
غم کی تلاش کر لے مصیبت کو بھول جا

کب تک یہ آہ سرد کہاں تک یہ اشکِ غم
بہزاد زندگیٔ محبّت کو بھول جا

ولولے

اپنی کیفیت جنوں کے نثار
اور ترے قلب پُر سکوں کے نثار
قتل کر کے مجھے پشیماں ہے
میں ترے حُسنِ سرنگوں کے نثار
بے پیئے جس سے مست ہو جاؤں
تیرے اِس جامِ لالہ گوں کے نثار
اب تو بنیا بیاں ہیں اور میں ہوں
اب سکون ہے کہاں سکوں کے نثار
اب گریباں ہے اور نہ دامن ہے
اس بہار اور اس جنوں کے نثار
اس کا مارا کبھی نہیں بچتا
جو نظر میں ہے اس فسوں کے نثار
زندگی زندگی بنی بہزاد
دردِ پنہاں غمِ درُوں کے نثار

محبّت پنہاں

میرے دل میں نہاں محبّت ہے
میرے رُخ سے عیاں محبت ہے

اس کی تعبیر ہے ملال و الم
ایک خواب گراں محبّت ہے

حُسن اتنا نہیں ہے گل افشاں
جس قدر خوں فشاں محبت ہے

اس نے دیکھا ہے میرا حال مگر
ہاں مری رازداں محبّت ہے

ہے محبّت یہ دو جہاں کا مدار
حاصل دو جہاں محبّت ہے

تم محبّت کو کیا سمجھتے ہو
وجہ کون و مکاں محبت ہے

دل کے ہر داغ آرزو کی قسم
جانِ صد گلستان محبّت ہے

ہم تو بہزاد یہ سمجھتے ہیں
دل محبت ہے جاں محبت ہے

حالتِ حُسن

لُٹے لُٹے نظر آتے ہو اشکبار ہو تم
عجب بات یہ ہے وقفِ انتظار ہو تم

ہے آج دستِ جنوں دامنِ محبّت پر
فضائے عشق پہ چھائی ہوئی بہار ہو تم

تمہیں ہی دیکھ کے اُلفت کی ہے نظر مخمور
نگاہِ عشق کا کیف آفریں خمار ہو تم

حسین اشک اسی سے بھرے ہیں آنکھوں میں
مرے ہی جذبۂ اُلفت سے بے قرار ہو تم

ہیں دو جہاں میں تابانیاں نظر افروز
کہ دو جہاں کی فضاؤں پہ جلوہ بار ہو تم

میں اس خیالِ محبّت نشان کے صدقے
کہ جس خیال میں گم ہو کے اشکبار ہو تم

تمہاری حضرتِ بہزاد بیخودی کیا ہے
کہ ہوش کھو کے بھی ہر طرح ہوشیار ہو تم

غمِ محبت

ہر اشک مری آنکھ کے پینے کے لئے ہے
ہر داغِ محبت مرے سینے کے لئے ہے
کیا ان کو نہ تجھے بحرِ محبت کے تلاطم
طوفانِ الم میرے سفینے کے لئے ہے
کیا تارِ رگِ جان سے کروں اس کی درستی؟
کیا چاکِ گریباں مرا سینے کے لئے ہے
ہاں غمِ محبت کی ازل سے ہے ابد تک
جو لفظ محبت کا ہے جینے کے لئے ہے
تیرِ نگہِ ناز یہ تیرِ نگہِ ناز
سینے کے لئے ہاں مرے سینے کے لئے ہے
اے دامنِ تر روک نہ تو اشکِ ندامت
موتی یہ مرے دل کے خزینے کے لئے ہے
بہزادؔ ترے حسرت و ارمان کی دُنیا
مرنے کے لئے کب ہے یہ جینے کے لئے ہے

حالتِ جنوں

یہ حال ہے کہ زمانے سے پوچھتا ہوں میں
وہ اپنا حال جو خود اُن سے کہ چکا ہوں میں

جہانِ عشق جہانِ جنوں میں گُم ہو کر
مجھے خبر نہیں کیا چیز بن گیا ہوں میں

ہر ایک قطرے میں نورانیاں تلاطم خیز
ہر ایک ذرّے کو پُر نور دیکھتا ہوں میں

تجھے خبر بھی ہے محفل میں۔ صاحب محفل
تری نگاہ کو حسرت سے دیکھتا ہوں میں

مرے تلاش و تجسّس کی انتہا ہی نہیں
ترے خیال کی دنیا میں آگیا ہوں میں

مری لطافتِ الفت گواہ و شاہد ہے
کسی حسین کا پاکیزہ مدّعا ہوں میں

یہ اپنی ذات پہ ہے مجھ کو فخر اے بہزاد
کہ خود کو عشق کی منزل پہ پا رہا ہوں میں

اداؤں کے مزے

اے جانِ ادا اپنی اداؤں کے مزے لے
ڈھا ڈھا کے جفائیں تو جفاؤں کے مزے لے

یہ دل کی فضا ہے یہ نگاہوں کی فضا ہے
ان دونوں محبت کی فضاؤں کے مزے لے

آ۔ اور مرے ساتھ میں پی جامِ مے ناب
زاہد ذرا ان سرد ہواؤں کے مزے لے

تسکین سی ہو جاتی ہے اک روح کو حاصل
گر دل سے دُعا اور دعاؤں کے مزے لے

کیوں ہوش میں تو آنے لگا اے دلِ بے ہوش
کچھ دیر تو دامن کی ہواؤں کے مزے لے

پہلو میں نہ دل ہے نہ سینے میں تمنّا
بہزادِ حزیں اب تو سزاؤں کے مزے لے

آبگینۂ دل

سوچیئے تو یہ کیا قرینہ ہے
دل نہیں ہے یہ آبگینہ ہے

لگ گئی میری چشمِ نم سے جھڑی
جیسے برسات کا مہینہ ہے

دل کو تم پوچھتے ہو دل کیا ہے
حسرتوں کا یہی خزینہ ہے

آئے تو ہیں مگر پھری ہے نظر
یہ قرینہ بھی کیا قرینہ ہے

ناخدا دیکھ اور غور سے دیکھ
دُور ساحل سے اک سفینہ ہے

یہ فلک پر ہیں انجمِ تاباں
یا جبیں پر تری پسینہ ہے

چار جانب ہوا ہے طوفاں
میں ہوں بہزاد اور سفینہ ہے

بخشتا جا

نگاہوں کو کیفِ نظر بخشتا جا
محبّت بہ نوعِ دگر بخشتا جا

اُٹھا کر نقابِ رُخِ آفتابی
سحر کو تو نورِ سحر بخشتا جا

ادھر بھی محبّت بھری اک نظر کر
مجھے دردِ قلب و جگر بخشتا جا

اِدھر ایک ناوک ہے اے ناوک افگن
متاعِ غمِ مختصر بخشتا جا

وہی گیسو و رُخ کا رنگین تصور
مجھے حُسنِ شام و سحر بخشتا جا

نہ تڑپا نہ تڑپا جوانی کا صدقہ
مجھے میرے شام و سحر بخشتا جا

دعاؤں کو بہزادِ افسردہ دل کی
اِدھر آ متاعِ اثر بخشتا جا

تمنّائیں

گر اُس بُتِ رعنا کا جلوہ نظر آجاتا
کیا جانے اِن آنکھو کو کیا کیا نظر آجاتا

اے کاش محبّت میں اتنا نظر آجاتا
اُٹھتا ہوا نظروں سے پردہ نظر آجاتا

جس جا پہ بھی میں محوِ سجدہ نظر آجاتا
دنیا وہیں جھک جاتی سجدہ نظر آجاتا

گر دیکھتے اشکوں کو نم اشک سمجھ کر بھی
ہر اشک کے قطرے میں دریا نظر آجاتا

منزل مجھے ہو جاتی آسان محبّت کی
مجھ کو کہیں گر نقشِ سجدہ نظر آجاتا

دنیا کی محبت میں جو لوگ کہ مرتے ہیں
اے کاش اُنھیں حُسن نیاز نظر آجاتا

بہزاد اگر کرتے کچھ غور محبّت میں
ہر نقش میں خود اپنا نقشہ نظر آجاتا

غم کی کہانی

وہ قصہ الم کا وہ غم کی کہانی
سُنو تو سُنو اہلِ غم کی زبانی
محبّت، محبت بہ صد کامرانی
بنی اک فسانہ، بنی اک کہانی
ابھی تک تو دل کہہ رہا تھا فسانہ
اب آنکھوں کو کہنا پڑی ہے کہانی
مرے عشق سے حُسن چمکا ہے تیرا
مری زندگی ہے، تری زندگانی
شکایت کروں بھی تو آخر کروں کیا
ہے مجھ پر بڑی آپ کی مہربانی
مری شکل سے میری حالت ہے ظاہر
مُکمّل زباں ہے مری بے زبانی
تصوّر پہ قُربان خیالوں کی دنیا
جوانی پہ بہزاد صدقے جوانی

تمہارے واسطے

ہر خوشی ہے ہر مسرت ہے تمہارے واسطے
یہ جہاں دراصل جنت ہے تمہارے واسطے

جس کو دیکھو کر رہا ہے آہ و نالہ پے بہ پے
ہر طرف شور قیامت ہے تمہارے واسطے

نرگسی آنکھوں میں کیوں آنسو چھلک کر آ گئے
میری بے تابی تو راحت ہے تمہارے واسطے

میرے چُپ رہنے سے قائم ہے زمانے پر بھرم
میرا چُپ رہنا غنیمت ہے تمہارے واسطے

نالۂ بلبل پپیہے کی فغاں میرا بیاں
جو حقیقت ہے حکایت ہے تمہارے واسطے

پوچھنے کیا ہو کہ یہ حالت مری کیونکر بنی
آئینہ خانے میں حسرت ہے تمہارے واسطے

ہے تمہارے پاس اے بہزاد جب رنگ اضطراب
دل کی بیتابی ہے وحشت تمہارے واسطے

عزمِ عشق

محبّت کے نغمے سُنانے چلا ہوں
کسی بے وفا کو رُلانے چلا ہوں

خوشی میں بھی آنسو بہانے چلا ہوں
محبت کا عالم دکھانے چلا ہوں

اجازت بھی دو اپنے تیرِ نظر کو
میں قلب و جگر آزمانے چلا ہوں

خراب نظر ہوں خرابِ محبت
خرابی کا عالم دکھانے چلا ہوں

الٰہی مرے دیدۂ و دل سلامت
محبّت کے میں ناز اُٹھانے چلا ہوں

خیالات رنگیں سے کہ دو کہ چھپ کر
میں بزمِ تصوّر سجانے چلا ہوں

جو ہیں دُوریاں حُسن و اُلفت کے حائل
وہ پردے دوئی کے اُٹھانے چلا ہوں

نہ چھوڑے کوئی ذرّہ اُن کی تجلّی
ہر اک ذرّے پر سر جھکانے چلا ہوں

ہیں آنکھوں میں بہزاد اشک محبّت
کسی کو میں اپنا بنانے چلا ہوں

کیا کیجئے

غم سے دل بیزار ہے کیا کیجئے
زندگی بیکار ہے کیا کیجئے

ہے نگاہِ مست پیمانہ صفت
ہر نظر مےخوار ہے کیا کیجئے

کیف پا کر اُس نگاہِ مست سے
ہر نفس سرشار ہے کیا کیجئے

دل کو کیا کہئے کہ اس دل کو صرف
آپ سے ہی پیار ہے کیا کیجئے

عشق جس کو کہہ رہا ہے اک جہاں
دائمی آزار ہے کیا کیجئے

بےوفا دُنیا نہ کیوں آئے نظر
بےوفا سے پیار ہے کیا کیجئے

عاشقی اپنی کسی کے حُسن سے
برسرِ پیکار ہے کیا کیجئے

اُن کا شکوہ کیجئے بہزاد کیا
دل ہی کب غمخوار ہے کیا کیجئے

گفتگوئے دِل

دِل اپنی ہی حالت کے سوا کچھ نہیں کہتا
میں اِس کو محبّت کے سوا کچھ نہیں کہتا
اُلفت کی ضرورت ہے مجھے غم کی ضرورت
میں اپنی ضرورت کے سوا کچھ نہیں کہتا
وہ کہتے نہیں میرے فسانے کے سوا کچھ
میں اُن کی شکایت کے سوا کچھ نہیں کہتا
ہو دار و رَسن یا کہ کوئی اور سزا ہو
دل میرا حقیقت کے سوا کچھ نہیں کہتا
قدموں پہ ترے آج مرا سر جو جھکا ہے
میں اس کو عبادت کے سوا کچھ نہیں کہتا
میں تجھ کو کسی طرح بھی اے مرگ محبت
ہر طرح شہادت کے سوا کچھ نہیں کہتا
بہزاد کسی طرح نظر آئے وہ محفل
جس کو کہ میں جنت کے سوا کچھ نہیں کہتا

نہ رہا

میں زمانے سے جُدا نہ رہا
منتظر میرا کیوں زمانہ رہا

سب سے بہتر مرا فسانہ رہا
جس سے مانوس کل زمانہ رہا

پوچھتے کیا ہو تم کو ہے معلوم
کیا رہا دل میں اور کیا نہ رہا

میرے دل میں مری نگاہوں میں
کوئی بھی آپ کے سوا نہ رہا

یہ مری زندگی ہے اور تم ہو
عمر بھر لب پہ یہ ترانہ رہا

ہم نے دنیا پہ جب نظر ڈالی
کوئی اپنا ترے سوا نہ رہا

اُس نے جس دم نقاب رُخ اُلٹی
کیوں نگاہوں کو حوصلہ نہ رہا

گُم ہوا اپنا مدّعا بہزاد
کوئی جب دل کا آسرا نہ رہا

کب تک

دل لبھاتا رہے گا یوں کب تک
اے فسوں کار یہ فسوں کب تک

ایک مدّت سے مضطرب ہوں میں
مجھ کو تڑپائے گا سکوں کب تک

دل سے اُن کو بھلاؤں گا اپنے
دیکھئے یہ رہے جنوں کب تک

پوچھ کے کوئی اُن سے بتلا دے
آرزوں کا ہو گا خون کب تک

اے مرے درد کی خلش تو بتا
درد میں مبتلا رہوں کب تک

یہ بھلا ختم ہونے والا ہے
اپنا افسانہ میں کہوں کب تک

عشق کی زندگی ارے توبہ
عشق کی سختیاں سہوں کب تک

دیکھو بہزاد آہ ٹپکے گا
میری آنکھوں سے دل کا خون کب تک

مقدّرات

تم کو گر آشکار ہونا تھا
میرا پروردگار ہونا تھا

دل اسی واسطے ملا تھا ہمیں
وقفِ لیل و نہار ہونا تھا

مثلِ گُل چاک چاک ہے دامن
یہ تو فصلِ بہار ہونا تھا

رنگ لاتا ہی اضطراب مرا
اُن کو تو بے قرار ہونا تھا

حال کُھلتا تو کس طرح اپنا
ضبط کو پردہ دار ہونا تھا

ہوش اُس نے لٹا دیئے اپنے
جس کو بھی ہوشیار ہونا تھا

ہم اسی پر فدا ہوئے بہزاد
ہم کو جس پر نثار ہونا تھا

عرضِ شوق

میرا قِصّہ تمام ہونے دو
زندگانی کی شام ہونے دو

بیخودی سب پہ چھائی جاتی ہے
اپنے جلووں کو عام ہونے دو

دیکھنے آؤ تم یونہی سب کو
ہاں یونہی دَورِ جام ہونے دو

کیا پڑی تم کو میری دنیا کی
میری دنیا میں شام ہونے دو

وہ فسانہ کہو گے کہ لیتا ہا
یہ فسانہ تمام ہونے دو

مست آنکھوں سے پی رہا ہوں میں
ہے جو لبریز جام ہونے دو

حُسن و الفت کا آج اے بہزاد
منتشر ہر نظام ہونے دو

حیرانیاں

حیران رہ گیا ہے حقیقت کو دیکھ کر
شرما رہا ہے حُسنِ محبت کو دیکھ کر

پھر حُسن کی جبیں پہ ہیں قطراتِ انفعال
مجبورِ آبدیدہ محبّت کو دیکھ کر

کون و مکانِ عاشقی حیرت میں رہ گئے
عریاں تجلیاتِ حقیقت کو دیکھ کر

حیران کیوں ہے دیکھ کے سجدوں کو تو مرے
یاد آ گیا خدا تری صورت کو دیکھ کر

شرمندہ حسن والوں کی ہے آرزوئے حُسن
اس میری جستجوئے محبّت کو دیکھ کر

میں نے بھی زندگی کو تماشا بنا لیا
اک بے وفا کے رنگِ طبیعت کو دیکھ کر

بے چین ہو گئے وہ پریشان ہو گئے
بہزادؔ مضطرب تری حالت کو دیکھ کر

فریبِ آرزو

ہاں فریبِ آرزو میں مجھ کو لا سکتے ہو تم
میری دنیا کو اگر چاہو بنا سکتے ہو تم

ظلم کا شکوہ نہیں ہے جور کا شکوہ نہیں
یہ بتا دو کیا کسی کو کھو کے پا سکتے ہو تم

میں جو چاہوں خود کو بھی اپنا بنا سکتا نہیں
تم جو چاہو دہر کو اپنا بنا سکتے ہو تم

جس طرف کو بھی نظر اُٹھتی ہے تم ہو سامنے
ہو گیا معلوم ہر شئے میں سما سکتے ہو تم

یہ فقط مجبوریاں ہیں عاشقی کے واسطے
تم اگر چاہو تصوّر میں بھی آ سکتے ہو تم

پی بھی لوں گا اور تو بہ بھی رہے گی برقرار
شوق سے ان مست نظروں سے پلا سکتے ہو تم

دے دیا بہزاد کو کیوں اضطرابِ مستقل
پوچھ لوں کیا مصلحت اس کی بتا سکتے ہو تم

جذبات

تم کس لئے گریاں ہو
کیوں آج پریشاں ہو
تم مہرِ درخشاں ہو
رشکِ مہِ تاباں ہو
گلشن کی ہو رنگ و بو
تم حسنِ گلستاں ہو
قربت اسے کہتے ہیں
نزدیک رگِ جاں ہو
دیں تم پہ تصدق ہے
تم کفر کا ایماں ہو
مشکل مری الفت کی
تم چاہو تو آساں ہو
ہر شے میں ہو پنہاں تم
ہر شے سے نمایاں ہو
تم سب سے ہو خوش لیکن
بہزاد سے نالاں ہو

تشکیلِ حُسن

تشکیلِ حسنِ یار سمجھ میں نہ آسکی
میری تو یہ بہار سمجھ میں نہ آسکی

گاہے فسردگی سی ہے گاہے شگفتگی
کیفیتِ بہار سمجھ میں نہ آسکی

آوازِ بازگشت کے قربان جائیے
ہر سمت کی پکار سمجھ میں نہ آسکی

آغوش میں چلی رحمت لئے ہوئے
شانِ گناہگار سمجھ میں نہ آسکی

مدہوش اس قدر رہا پی کر شرابِ حُسن
کیفیتِ خمار سمجھ میں نہ آسکی

جب سے نگاہ میں ہے ہماری بہارِ حُسن
رنگینیٔ بہار سمجھ میں نہ آسکی

اُن کو دیا سکون تو بہزاد
یہ بات کردگار سمجھ میں نہ آسکی

کفرِ سامانی

زندگی بھر نہ مجھ کو پہچانی
زندگی کس قدر ہے بے گانی

ایک بُت پر لٹا دیا ایماں
ہائے میری یہ کفرِ سامانی

رشکِ ساحل بنی سفینے کو
یہ ہَوا تیز اور طغیانی

تم نہیں بھولتے بُھلانے سے
کوششیں کر چکا ہوں امکانی

ہائے وحشت کو بھی ہوئی وحشت
دیکھ کر میری چاک دامانی

اشک برسا رہا ہوں آنکھوں سے
کر رہا ہوں غموں کی مہمانی

کوئی بہزاد سا نہ ہے مظلوم
کوئی تم سا نہ ظلم کا بانی

پختہ کاری

مرے دل کو کسی عالم سے مایوسی نہیں ہوتی
خوشی تو چیز کیا ہے غم سے مایوسی نہیں ہوتی

بھلا ہو عاشقی میں دردو غم کی پختہ کاری کا
کہ مجھ کو دیدۂ پرنم سے مایوسی نہیں ہوتی

نہیں معلوم کیا ہے اس سے واقف تو مرا دل ہے
مجھے کیوں گریۂ پیہم سے مایوسی نہیں ہوتی

کرم ہے بے نیازیٔ محبت اور الفت کا
مجھے بیزاریٔ باہم سے مایوسی نہیں ہوتی

اسے میں مصلحت سمجھوں کہ پردہ داریٔ الفت
تمہارے عالم برہم سے مایوسی نہیں ہوتی

یہی عالم ہے میرے قلب کا اور میرے اشکوں کا
کہ جیسے پھول کو شبنم سے مایوسی نہیں ہوتی

الم ہو یا خوشی یا ہو مسرت یا کہ غم ہمراہ
مجھے اپنے کسی عالم سے مایوسی نہیں ہوتی

فراموشیاں

خراب حال ہوں نام و نشاں کو بھول گیا
ترے نثار میں دونوں جہاں کو بھول گیا

نظر سے اپنی سُنا بیٹھا داستانِ الم
زباں کا کام تھا لیکن زباں کو بھول گیا

ہر ایک حال میں ہے صبر و شکر کام مرا
یہاں قفس میں رہا آشیاں کو بھول گیا

تو ہی بتا کہ کہاں جائے چھوٹ کر صیّاد
وہ بدنصیب کہ جو گلستاں کو بھول گیا

ہمارے مشربِ رندی میں کاٹ دو ہاتھ
جو ہاتھ دامنِ پیرِ مغاں کو بھول گیا

ترے کرم نے دکھائے وہ خوابِ گوناگوں
میں اپنی زیست کے خوابِ گراں کو بھول گیا

خدا ہی جانے کدھر میں نے کر لئے سجدے
میں بیخودی میں ترے آستاں کو بھول گیا

شبِ فراق میں اکثر یہ حال گزرا ہے
کہ ہوش اُڑ گئے آہ و فغاں کو بھول گیا
ہزار بار تو پہنچا ہوں منزلوں آگے
وفورِ شوق میں جب کارواں کو بھول گیا
اسی کو مل گئی بہزادؔ زیست کی معراج
جو اک نگاہ میں کون و مکاں کو بھول گیا

نمائشِ وجود

ہر ذرہ جہاں ہے نمائش وجود کی
کیوں چشمِ شوق کم نہیں خواہش نمود کی
بجھتی ہے اس طرح کہیں سوزش وجود کی
کہتے ہیں جس کو مرگ ہے لغزش وجود کی
ہر جنبش نگاہ ہے یا مرگِ ناگہاں
کیا رائیگاں ہی جائے گی کوشش وجود کی
اللہ میری حسرتِ مردہ کی خیر ہو
ہے اس نگاہِ ناز میں تابش وجود کی
ہم کفر سے بھی دور ہیں ایماں سے بھی دور
اب دیکھیں کیا دکھائے یہ خواہش نمود کی
تم سے گلہ نہیں ہے فلک سے گلہ نہیں
کہتی ہے گردشوں ہی میں گردش وجود کی
کہتے ہیں جس کو مرگ وہ ہے زندگی خاص
بہزادؔ تم کو کیوں ہے یہ کاہش وجود کی

ذوقِ پرستش

دل اُن کے لئے مضطر ہی سہی پر آہ و نالہ کون کرے
اُن کا تو تماشہ دیکھ لیا اپنے کو تماشہ کون کرے

اے ذوقِ پرستش سوچ ذرا اس بے چینی سے کیا ہوگا
بے سمجھے کسی کو کیوں سمجھے بے دیکھے سجدہ کون کرے

کشتی تو ہے خود ہی زیر و زبر اب کون بڑھائے اور خطر
بے طوفاں ہی طوفاں ہے بپا طوفاں کو اشارہ کون کرے

دستِ وحشت دستِ وحشت للہ نہ بڑھا حد سے حسرت
کافی ہیں گریباں کے پرزے دامن کو دوپارہ کون کرے

اے چشمِ تمنا ٹھیر ذرا اے چشمِ تمنا لب نہ ہلا
وہ خود ہی دکھائیں گے جلوہ اب ان سے تقاضہ کون کرے

اے چشمِ کرم یہ چاہتا ہوں مانگوں بھی تو تجھ سے کیا مانگوں
مرنے کو گوارہ کون کرے جینے کو گوارہ کون کرے

سہنے دو اُسے صدمے غم کے کرنے دو اُسے پیہم نالے
بہزاد تو ہے دُنیا کا بُرا بہزاد کی پرواہ کون کرے

خوب سمجھتا ہوں میں

راز کو رکھو نہ راز خوب سمجھتا ہوں میں
تم ہو مرے چارہ ساز خوب سمجھتا ہوں میں

حیرتِ آئینہ کا کچھ نہیں مجھ پر فریب
حالتِ آئینہ ساز خوب سمجھتا ہوں میں

لب تو ہلے بھی نہیں آنکھ نے فریاد کیا
حسرتِ دستِ دراز خوب سمجھتا ہوں میں

آپ نہ ٹھکرائیے آپ نہ ٹھکرائیے
آپ ہیں بندہ نواز خوب سمجھتا ہوں میں

جود و سخا کے نثار لطف و عطا کے نثار
ہے یہ حقیقت مجاز خوب سمجھتا ہوں میں

رکھتا ہوں میں بھی نظر رکھتا ہوں میں بھی جگہ
غزنوی ہو یا ایاز خوب سمجھتا ہوں میں

شکوۂ فریاد و غم ہو نہیں سکتا ہے کم
ہے یہ جہاں غم کا ساز خوب سمجھتا ہوں میں

شمع ہی کے دم سے ہیں بزم کی یہ رونقیں
شمع ہے پروانہ ساز خوب سمجھتا ہوں میں

جورکا شکوہ نہیں ظلم کا شکوہ نہیں
یہ بھی ہے اک رنگ ناز خوب سمجھتا ہوں نہیں

تم نے سکوں دے دیا رنگِ جنوں دیدیا
دے کے غمِ جاں گداز خوب سمجھتا ہوں میں

نغماتِ محبّت

یہ مانا ترے ناز ہی اور ہوں گے
مگر دل کے ہم ساز ہی اور ہوں گے

نہ آہیں بھروں گا نہ نالے کروں گا
مرے غم کے انداز ہی اور ہوں گے

محبت میں ہلچل مچادوں گے جن سے
وہ برباد کن ناز ہی اور ہوں گے

میں چھیڑوں گا جن پر محبت کے نغمے
الگ سب سے وہ ساز ہی اور ہونگے

ہوئے فاش جو راز وہ راز کب تھے
جو ہیں راز وہ راز ہی اور ہونگے

میں کرنے کو تو ضبط کرتا ہوں نالے
مگر غم کے غماز ہی اور ہوں گے

حسینؔ جن پہ ایمان لائیں گے دل سے
وہ ہزاد اعجاز ہی اور ہوں گے

نہ پوچھ

اضطرابِ قلب کی باتیں نہ پوچھ
کس طرح کٹتی ہیں اب راتیں نہ پوچھ

درد و رنج و غم ہیں سب زیرِ نگیں
عشق کی مجھ سے کرامتیں نہ پوچھ

عشق ہے معصومِ فطرت فطرتاً
اُس کے دل سے حُسن کی گھاتیں نہ پوچھ

جب سے کھیلے عشق اور الفت کے کھیل
ہم نے کھائیں کس قدر ماتیں نہ پوچھ

چشمِ گریاں کی قسم اس عشق میں
کس قدر دیکھی ہیں برساتیں نہ پوچھ

درد بھی آنسو بھی اور آہیں بھی ہیں
کس نے بھیجی ہیں یہ سوغاتیں نہ پوچھ

ان سے ہوتی تھیں جو بہزادِ حزیں
کیا ہوئیں اب وہ ملاقاتیں نہ پوچھ

عالمِ انتشار

نفس نفس میں ہے اک انتشار کا عالم
خدا دکھائے نہ اب انتظار کا عالم

نہ دیکھا تو نے مگر تھا تو دید کی قابل
ترے لیئے وہ کسی بے قرار کا عالم

یہ تم ہو یا ہے فریبِ نگاہ مستی
کہ سامنے ہے مکمل بہار کا عالم

تجھے قسم ہے مجھے جام پر دیئے جا جام
نہ پوچھ اے مرے ساقی خمار کا عالم

نگاہ کیوں نظر آئے نہ طور در آغوش
بسا ہوا ہے نگاہوں میں یار کا عالم

ترے خیال کے صدقے ترے خیال کی خیر
خزاں میں بھی نظر آیا بہار کا عالم

نہی ہے عالمِ بہزاد مبتلا اب تک
کہ ہونا چاہیئے جو بے قرار کا عالم

اشکِ غم

بن گئے زندگیٔ غم کے سہارے آنسو
اِن کے دامن پہ نظر آئے ہمارے آنسو

قصّۂ غم پہ بھری بزم میں روتے کیوں ہو
ہم سے دیکھے نہیں جاتے ہیں تمہارے آنسو

اُن کے دامن کی تمنّا تھی مرے اشکوں کو
اُن سے گرنے لگے رہ رہ کے اشارے آنسو

ضبطِ گریہ کا سبب آج یہ ہے شامِ الم
توڑ لائیں نہ کہیں چرخ کے تارے آنسو

دیر سے بیٹھے ہیں ہم اپنا ہی دامن پھیلائے
کس کے دامن کی طلب میں ہیں ہمارے آنسو

کون لیتا ہے یہ موتی نگہِ الفت سے
آنکھ سے گرتے ہی اِک بار پکارے آنسو

جس پہ کل قیمتِ کونین فدا ہوتی ہے
چشمِ بہزادؔ نے دیکھے ہیں وہ پیارے آنسو

دنیائے درد

سب اُس کو سمجھتے ہیں تو کون ہے میں کیا ہوں
تو درد ہے دنیا کا میں درد کی دنیا ہوں

الفت سے خدا سمجھے الفت کا تماشہ ہوں
آغاز میں ہنستا تھا انجام روتا ہوں

دو لفظوں میں پنہاں ہے روداد الم میری
برباد محبّت ہوں ناکام تمنّا ہوں

وہ دردِ مصیبت ہو یا عیش و فراغت ہو
جو حال بھی مل جائے اس حال میں اچھا ہوں

اب تک تو وہی دل ہے اب تک وہی محفل ہے
اب تک وہی آنکھیں ہیں اب تک تو تمہارا ہوں

ہے پاسِ وفا مجھ کو ہے خوفِ خدا مجھ کو
تم کھینچ کے چلے آؤ میں دل سے اگر چاہوں

بہزاد یہ عالم بھی دنیا سے نرالا ہے
روتا ہوں تو ہنستا ہوں ہنستا ہوں تو روتا ہوں

اشکِ مکرر

جو دل کے سہارے تھے اشک افسوس مکرر ٹوٹ گئے
آنکھوں میں رہے بن کر آنسو دامن تک آ کر ٹوٹ گئے

عادیٔ ستم کے واسطے کیا یہ لطف و کرم ہے مثلِ جفا
کیوں بادِ صبا کے جھونکوں سے مُرجھا کے گل ٹوٹ گئے

ہے کس کو میسر جورِ جفا ہے کس کے مقدر میں یہ عطا
اس ٹھوکر کے قربان جاؤں جس ٹھوکر سے سر ٹوٹ گئے

اے دامنِ دل اے دامنِ دل تجھ کو نہیں ملتی ہے منزل
اشکوں کے گوہر کیا ہوں گے اشکوں کے گوہر ٹوٹ گئے

اتنا تو مناسب ظلم نہیں یہ دل ہے ہمارا کھیل نہیں
اس شیشے سے کیوں ٹکراتے ہو جس شیشے سے پتھر ٹوٹ گئے

میخوار ہی کچھ مدہوش نہ تھے ہاں رندی کچھ یہ جوش نہ تھے
ساقی کے بھی ہاتھوں سے گر کر میخانے میں ساغر ٹوٹ گئے

سب آنسو جن کو کہتے ہیں جو آنکھوں میں میری رہتے ہیں
بہزادِ حزیں حیران ہوں میں یہ تارے کیوں کر ٹوٹ گئے

دلِ ناصبور

بے درد یہ خطائے دلِ ناصبور ہے
تیری طرف کو دیکھ لیا یہ قصور ہے
اپنے تصوّرات کے قربان جایئے
میں یہ سمجھ رہا ہوں کہ تیرا حضور ہے
کہتے ہیں جس کو کیف و مسرّت جہاں میں
تجھ سے قریب تر ہے مگر مجھ سے دور ہے
ہوتی ہیں ہر مقام پہ جلوہ نمائیاں
ہاں اے نگاہِ شوق ہر اک ذرہ طور ہے
اس رمزِ عاشقی کو سمجھیں گے وہ جہاں
باطن میں تو تو پاس ہے ظاہر میں دور ہے
یہ میرے دل کا کام ہے یا آپ کا ہے کام
مجھ کو کیا پتہ یہ کس کا قصور ہے
آؤ کسی کے پائے محبت پہ جاں دیں
بہزادؔ مبتلا ہمیں مرنا ضرور ہے

ارادے

ہجومِ یاس کا پردہ اُٹھا کے دیکھیں گے
جو ہو سکا تو تمہیں مسکرا کے دیکھیں گے

بغیر قصدِ تصوّر بغیر قصدِ خیال
ابھی ہیں دُور تجھے پاس آ کے دیکھیں گے

نثار کر کے دل و دیں نثار کر کے نظر
کسی طرح تجھے اپنا بنا کے دیکھیں گے

سُنا گیا ہے کہ تو ہے حریمِ دل کا مکیں
ترا جمال ذرا سر جھکا کے دیکھیں گے

اُدھر ہی ہم کو نظر آئیں گے ہزاروں طور
جدھر بھی آپ ذرا مسکرا کے دیکھیں گے

کسی کے در کو بنائیں گے سجدہ گاہِ جبیں
کسی کے در پہ قیامت اُٹھا کے دیکھیں گے

ابھی تو حُسنِ دو عالم ہے اور ہم بہزاد
کسی کے ہاتھ سے دامن چھڑا کے دیکھیں گے

کیا کہیئے

جو دی ہے آپ نے اس بیخودی کو کیا کہیئے
نگاہ و قلب کی وارفتگی کو کیا کہیئے

جنوں نواز محبّت کی زندگی تو یہ
یہ زندگی ہے تو اس زندگی کو کیا کہیئے

ہنسی کے وقت بھی ہم کو ہنسی نہیں آتی
جنونِ عشق کی غم پروری کو کیا کہیئے

نظر جو آ نہ سکی چشمِ ساقیٔ رنگیں
نصیب ہو نہ سکی بے خودی کو کیا کہیئے

جو بے طلب کے میسر ہوا اس کی قدر ہی کیا
کبھی جو مِل نہ سکے اس خوشی کو کیا کہیئے

ہمارے لب پہ ہے نالہ ہمارے لب ہے یہ آہ
کیا تباہ غمِ زندگی کو کیا کہیئے

نگاہ و دل کو میسّر ہے جو مرے بہزاد
فریبِ عشق کی اس زندگی کو کیا کہیئے

خدائیاں

جو تو ہی ذرّوں پہ اپنی خدائیاں نہ کرے
تو ایک ذرّہ بھی جلوہ نمائیاں نہ کرے

نہ دردِ عشق نہیں دردِ عشق دِل والو
جو دردِ عشق کہ دل پہ خدائیاں نہ کرے

تمہیں بتاؤ کہ کس طرح یہ نظر میری
تمہارے حُسن کی مدحت سرائیاں نہ کرے

خوشی کا لطف نہ آئے ستم مسرّت کی
خوشی ہماری اگر اگر غم رہائیاں نہ کرے

یہ دینِ عشق تصدق ہو جا کے پھر کس پہ
نظر تمہاری جو کافر ادائیاں نہ کرے

رہے نہ چاند میں یہ روشنی نہ تاروں میں
جو تو جہاں میں جلوہ نمائیاں نہ کرے

یہ بزم بزم رہے کس طرح بھلا بہزاد
جو تو ہی بزم میں نغمہ سرائیاں نہ کرے

تیرے سامنے

رو پڑی چشم پر آب آج ترے سامنے
لاکھ گرے آفتاب آج ترے سامنے

دل ہوا مست و خراب آج ترے سامنے
ذرہ بنا آفتاب آج ترے سامنے

خوب ہے یہ زیر ہم ہیں ترے قدموں پہ ہم
اور بڑھا اضطراب آج ترے سامنے

اے ہری لا شئے نظر کم حقیقت شُکر کر
کُھل گئے بند نقاب آج ترے سامنے

ہو گئے مسرور ہم کیف سے معمور ہم
لے کے غم بے حساب آج ترے سامنے

مست تھی تیری نظر کیف میں تھے بام و در
کون نہ ہوتا خراب آج ترے سامنے

ساقیٔ رنگیں ادا آنکھ ہی سے مے پلا
کیوں پیوں جام شراب آج ترے سامنے

رنگتیں

سب ہیں یہ تمہاری رنگتیں درد بھی تم دوا بھی تم
سُن لو یہ راز صاف صاف بندے بھی تم خدا بھی تم

مجھ پہ نثار کیوں نہ ہوں کیفیتیں جہان کی
تم ہی قریب تم ہی دور پاس بھی تم خدا بھی تم

کس لئے کھو نہ جاؤں میں منزلیں کیوں نہ پاؤں میں
تم ہی ہو میری عین ذات اور ہو ماسوا بھی تم

لطف و کرم کی بات ہے لاج تمہارے ہاتھ ہے
تم ہی ہو مدّعا نواز اور مدّعا بھی تم

قلب و جگر کا کام کیا چشم و نظر کا کام کیا
حیرت آئینہ بھی تم، صورت آئینہ بھی تم

کیوں نہ ہو رنگ بندگی کیوں نہ بڑھے یہ بیخودی
خوہو تم ہی تو نقشِ پا ساجد نقشِ پا بھی تم

اپنی نظر سے کام لو ہاتھ کو میرے تھام لو
تم سے کہوں تو کیا کہوں خوش بھی ہو تم خفا بھی ہو تم



شکوے

انکار نہ کرنا تھا اقرار کیا ہوتا
سوئی ہوئی قسمت کو بیدار کیا ہوتا

یہ کیا کہ نگاہوں سے دیوانہ بنا ڈالا
اک بیخودِ الفت کو ہشیار کیا ہوتا

نظروں کا ملانا تو دشوار نہ تھا تم کو
اک بار تو آنکھوں کو پھر چار کیا ہوتا

اے میری جبیں تو کیوں مدہوشِ محبت ہے
سجدہ درِ جاناں پر ہر بار کیا ہوتا

یہ جام مے گلگوں پڑھتے ہی چلے آئے
ورنہ مجھے ساقی نے سرشار کیا ہوتا

تم کو تو یہ لازم تھا چپکے سے چلے آتے
ویراں کدہ دل کو گلزار کیا ہوتا

بہزاد کو جینا تو دشوار کیا لیکن
بہزاد کو مرنا بھی دشوار کیا ہوتا

عالمِ عشق

عالمِ عشقِ حقیقی بھی جُدا ہوتا ہے
جس کو اللہ بنا لو وہ خُدا ہوتا ہے

جب اُٹھا دیتے ہو تم چہرہ رنگیں سے نقاب
تب کہیں چشمِ تمنّا کا بھلا ہوتا ہے

تیرے صدقے ترے قربان نہ کیوں جاؤں کریم
تیرے در سے کہیں محروم گدا ہوتا ہے

تیرے کوچے میں جو پہنچے تو مجھے ہوش نہیں
دیکھنا ہے کہ تری بزم میں کیا ہوتا ہے

یہ تمہارا ہی تصدق ہے مرا نام و نمود
جب جفا بڑھتی ہے تب نام وفا ہوتا ہے

منحصر آپ یہ ہے اپنا تو ہر ہر عالم
کیا خبر ہم کو کہ کیا ہو گیا کیا ہوتا ہے

ہجر بھی اُن کا قیامت سے نہیں کم بہزاد
اُن کا ملنا بھی بڑا ہوش رُبا ہوتا ہے

بہارِ زندگی

یہی زندگی کا کمال ہے یہی زندگی کی بہار ہے
نہ سکون ہے نہ ہیں راحتیں نہ شکیب ہے نہ قرار ہے

ہے لباس اپنا پھٹا ہوا ہے جنوں کا جوش بڑھا ہوا
مجھے اسکی کچھ بھی خبر نہیں یہ خزاں ہے یا یہ بہار ہے

یہ پھری ہوئی ہے نگاہ کیوں یہ لبوں پہ آج ہے آہ کیوں
تجھے علم ترے نام پر مری زندگی بھی نثار ہے

یہی تیرا درد تری خلش یہی تیرا سوز تری تپش
یہی زندگی کی خزاں بھی ہے یہی زندگی کی بہار ہے

تجھے ہوش کیوں نہیں واعظا مرے ٹوکنے کا محل ہے کیا
مجھے مے کدے میں نہ چھیڑ تو مجھے میکدے میں خمار ہے

جستجو و آرزو

تری جستجو ہے تری آرزو ہے
تجھے ڈھونڈھتا ہوں کہ تو ہی تو تو ہے

میں خود اپنی بدنامیاں چاہتا ہوں
کہ بے آبروئی بڑی آبرو ہے

نہ کیوں کر کروں میں دو عالم کو سجدے
تصوّر میں تو ہے تخیل میں تو ہے

نہ کوئی سنے اس کو دونوں جہاں میں
جو میرے ترے درمیاں گفتگو ہے

میں ہر پھول کو سونگھتا ہوں الٰہی
کسی پھول میں بھی محبت کی بو ہے

چمن در چمن ہے وہی حسنِ رنگیں
گلستاں گلستاں تری رنگ و بو ہے

یہ بہزاد کی وحشتیں کوئی دیکھے
گریباں رفو ہے نہ دامن رفو ہے